تذکرہ

سلطان محمود غزنوی

منشی احمد حسین خان صاحب بی اے مترجم

ڈویژنل کورٹ لاہور

نے

مطبع خادم التعلیم پنجاب لاہور کیلئے لکھا

اور

دوسری مرتبہ سنہ ۱۹۰۴ء میں

کارخانہ پیسہ اخبار کے خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں منشی محمد عبدالعزیز مینیجر کے

اہتمام سے چھپا

قیمت ۳/

محمود غزنوی

غزنوی خاندان کی ابتدا محمود کی ولدیت

جب خلیفہ ہارون رشید کی وفات کے بعد خلافت کی حکومت میں زوال آگیا تو رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ ہر ایک صوبہ منحرف ہو کر خود مختار بن بیٹھا۔ اور آخر خلیفہ کے پاس صرف بغداد ہی معہ مضافات کے رہ گیا۔ اسی زمانہ میں اسماعیل سامانی صوبہ دار ماوراء النہر و خراسان بھی خلیفہ سے باغی ہو کر بخارا کا حاکم بن بیٹھا۔ اس خاندان کے ایک بادشاہ کے ہاں جس کا نام عبد الملک بن نوح تھا۔ ایک ترکی غلام تھا۔ جس کا نام البتگین تھا۔ ترک دراصل تاتاریوں کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ یعنے تاتاریوں کے آوارہ گرد گروہ جو وسط ایشیا میں بحیرہ خزر سے لیکر چین کے شمال کیطرف رہتے تھے۔ وہ تین بڑے قبیلوں میں منقسم تھے (اوّل) منچو جو چین کے شمال کیطرف رہتے تھے (دوم) منگول یا مغل جو تبّت کے شمال میں سکونت پذیر تھے۔ اور (سوم) ترک جو مغلوں سے مغرب کی جانب رہتے تھے۔ البتگین بادشاہ کو بہانہ مستی کے تماشے دکھا کر اور نقلیں سنا کر خوش کیا کرتا تھا۔ اور اسکو اہل دربار مسخرہ دربار کہا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ مجلس عشرت کو خیر باد کہکر مدبر ملک ہو گیا۔ اور پھر اپنی دانش و دانائی کی بدولت حاکم خراسان ہو گیا ؎

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

جب عبد الملک کا پیمانہ عمر لبریز ہوا تو امرائے دربار نے اسے یہی خط لکھا۔ کہ اب بادشاہ کس کو کرنا چاہیئے۔ جانشینی کی نسبت ارکان سلطنت میں اختلاف تھا۔ بعض نوبہ

چاہتے تھے۔ کہ شاہ متوفی کے نابالغ پسر منصور کو وارث تخت و تاج کیا جاوے۔ اور بعض
یہ چاہتے تھے۔ کہ عبد الملک کا چچا بادشاہ ہو۔ التبگین کو خبر نہ تھی کہ یہاں اُلٹی گنگا بہ رہی
ہے۔ اس نے منصور کے برخلاف رائے دی۔ مگر اس کا جواب آنے سے پہلے منصور تخت نشین
ہو چکا تھا۔ اس نے التبگین کا جواب دیکھکر مار دم بریدہ کی طرح پیچ و تاب کھایا۔ اور اس
کی تخریب کے درپے ہوا۔ التبگین کے دشمنوں کو بھی موقع خوب ہاتھ آیا۔ فوراً دربار میں طلبی
ہوئی۔ اگر التبگین اس وقت دربار میں آتا۔ تو جان جانے میں کوئی شک نہ تھا۔ ناچار سپاہیانہ
پیچ کھیلکر جان بچائی۔ اور اپنے خاصے کے غلاموں اور نوکروں کی امداد سے خود سر ہو گیا۔ اور
کابل اور قندھار پر قبضہ کر کے غزنی جو عین کوہ سلیمان کے بیچوں بیچ ہے۔ اپنا دار السلطنت
مقرر کیا۔ مگر واہ رے جوانمرد کہ باوجود خود سر بننے بھی اپنے آقا کے گھرانے کی اطاعت ہی کرتا
رہا۔ ایک دفعہ التبگین اپنے دربار میں بیٹھا ہوا۔ سوداگروں سے باتیں کر رہا تھا۔ کہ بخارے
سے ایک سوداگر آیا۔ اور بہت سا اسباب بطور تحفہ لایا۔ اس سوداگر کے ساتھ ایک نوعمر جوان
سبکتگین نامی تھا۔ التبگین نے ایسے ہونہار کو دیکھ کر خرید لیا۔ سبکتگین دراصل یزدجرد
شاہِ فارس کی نسل سے تھا۔ مگر زمانہ کی گردش سے تباہ و خستہ ہو کر اس سوداگر کے ہاتھ
آیا۔ اور وہ اُسے بخارا لے آیا۔ التبگین نے رفتہ رفتہ کل سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک
سبکتگین کو کر دیا۔ بعض مؤرخ بیان کرتے ہیں۔ کہ سبکتگین کی بڑی صفت یہ تھی۔ کہ وہ نہایت
خوش خلق رحمدل اور فیاض تھا۔ اور اسی باعث سپاہ اس پر جان نثار کرتی تھی۔ ایکدفعہ کا
ذکر ہے کہ جب وہ ابھی رسالہ میں ملازم تھا جنگل میں شکار کھیلنے گیا۔ جنگل میں ایک ہرنی
مع اپنے بچے کے چر رہی تھی۔ اس کے دل میں آیا۔ کہ کسی طرح اس بچے کو جیتا پکڑ لیجیئے۔ اور
گھر لیجا کر پالئے۔ چنانچہ اس ارادے سے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اسکی طرف جھپٹا۔ اور بچہ کو
پکڑ کر فتراک سے باندھ لیا۔ اور گھر کی راہ لی۔ تھوڑی دور جا کر پیچھے پھر کر دیکھا۔ تو معلوم
ہوا۔ کہ اس بچے کی ماں دردانگیز آواز سے چیختی چلاتی ہوئی پیچھے پیچھے چلی آتی ہے۔ ہرنی
کا یہ حال دیکھکر سبکتگین کا دل بھر آیا۔ اور فوراً اسکے بچہ کو کھول دیا بچے کو کھلا دیکھکر ہرنی کی
جان میں جان آگئی۔ اور خوشی خوشی بچہ کو ساتھ لیکر جنگل کیطرف چوکڑیاں بھرتی چلی گئی۔ مگر

دور تک الٹی پھیر پھیر کر دیکھتی جاتی تھی - اور گویا زبان حال سے اسکی رحمدلی کا شکریہ ادا کرتی تھی - اس رات خواب میں سبکتگین کو ایک فرشتہ نظر آیا - اور بشارت دی - کہ تونے جو آج اس بے زبان کو مصیبت اور درد دکھ میں مبتلا دیکھکر رحم کھایا ہے - وہ جناب ایزدی کو نہایت پسند آیا - اسکے صلہ میں تجھے غزنی کی سلطنت عطا ہوگی - مگر دیکھ ایسا نہ ہو کہ اس رتبہ عالی پر پہنچکر تجھ میں رعونت آجائے - اور جسقدر اب جانوروں پر رحم کھاتا ہے اسوقت آدمیوں پر اس سے کم رحم کرے ۔

الپتگین کی وفات کے بعد اسکا بیٹا اسحاق تخت نشین ہوا - مگر اطراف کے لوگوں نے بغاوت کی دھمکی دی - اس پر سبکتگین بخارا سے اُسے حکومت کی سند دلوا کر لایا - اس سند میں نیابت سبکتگین کے نام کی تھی - دو برس کے بعد اسحاق بھی جان بحق تسلیم ہوا - اور ایک دو اور تاجدار ہو گئے بعد جب اہل دربار نے ملک اغیار کے ہاتھ جاتا دیکھا تو سبنے بالاتفاق نصیر الدین سبکتگین کو مسند سلطنت پر بیٹھا دیا - سبکتگین نے الپتگین کی بیٹی سے شادی بھی کر لی - اور اسی دن سے انکے ستارہ اقبال کا طلوع شروع ہوا ۔

اس زمانہ میں پنجاب کی حد سرحد غزنی تک پھیلی ہوئی تھی - اور لاہور میں راجہ جیپال جو ذات کا برہمن تھا - راج کرتا تھا - اس نے مسلمانوں کے قدم آگے بڑھتے دیکھکر ایک بھاری فوج سے غزنی پر چڑھائی کی - اور آن کی آن میں لمغان پر ڈیرے ڈالدیئے - ادہر سے سبکتگین نے بھی شیر نیستان کیطرح انگڑائی لی - اور اپنی چیدہ چیدہ فوج سے مقابلہ میں جنگ زن ہوا - دونوں فوجیں ایکدوسرے کی پیشدستی کی منتظر تھیں - سبکتگین کا دستور تھا کہ وہ کبھی حریف پر پیشدستی نہ کرتا تھا - جیپال کی تقدیر جو الٹی تھی - دفعتہً آسمان سے بے موسم برف گرنی شروع ہو گئی - غزنی کے دلاور جو برف کے کیڑے تھے انہیں خبر بھی نہ ہوئی - مگر ہندوستانی بیچارے اکڑ اور سکڑ کر رہ گئے - اور لگے رضائیاں اور لحاف اور تو شک ڈھونڈنے - اس پر قیامت یہ ہوئی کہ کسی نے کہدیا کہ اس پہاڑ پر ایک چشمہ ہے - کہ جس میں اگر کوئی ناپاک چیز ڈالدے تو اسقدر برف گرتی ہے کہ شہر کے شہر دب جاتے ہیں - چنانچہ اس بے موسم برف باری سے انکو یقین ہو گیا کہ ان لوگوں نے ہمارے مارنے کے لئے ایسا کیا ہے - اب دوبارہ گھر والوں کا منہ دیکھنا نصیب

نہ ہوگا۔ چنانچہ اسباب سے ہندوستانی فوج کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہوگئے۔ راجہ
جیپال نے جب اپنی فوج کو بیدل دیکھا تو صلح کا پیغام بھیجا۔ سبکتگین نے دربار کرکے مشورہ
کیا۔ اس بارہ میں دو فریق ہوگئے۔ وزیروں کی یہہ صلاح تھی کہ یہ صلح غنیمت ہے۔ مگر
جنگی افسروں نے جنکے سینہ میں جوانی کے زور بھرے ہوئے تھے۔ نہ دیکر یہی فیصلہ کرایا
کہ ہمیں صلح منظور نہیں۔ راجہ جیپال کو جب یہہ پیغام پہنچا۔ تو نہایت خفا ہوا۔ اور کہلا بھیجا
کہ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہمارے لشکر کے بھاری بھاری اور بیش قیمت سامان دیکھکر تمہارے
دہان طمع میں پانی بھر آیا ہے۔ مگر یاد رہے ہم راجپوت ہیں۔ ہمارے نزدیک سے

آبرو جگ میں رہے تو جان جانا پشم ہے ٭ جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کسی طرح چھٹکارا نہیں
تو ہم اول بال بچوں کو اپنے ہاتھ سے فنا کرتے ہیں۔ پھر مال و دولت نقد جنس کو جلا کر
خاک کرتے ہیں۔ ہاتھی گھوڑوں اور مویشیوں کو اندھا کر دیتے ہیں۔ پھر ایکدوسرے سے رخصت
ہوکر دشمنوں کو تہ تیغ بیدریغ کر دیتے ہیں۔ پھر جو کرے سو خدا شکست و ظفر اُس کے
اختیار میں ہے ٭ سے

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میر ٭
مقابلہ تو دلِ ناتوان نے خوب کیا ٭

اگر مار لیا تو دم کے ساتھ پھر سب کچھ موجود ہو جاتا ہے۔ جان ہے تو جہان ہے۔ اگر مر گئے
تو دنیا میں سُرخرو ہوئے۔ اور دشمن کے ہاتھ بھی خاکستر کے سوا اور کچھ نہ آیا۔ یہ پیغام سُنکر
سبکتگین کے جرنیل بھی دم بخود ہوگئے۔ غرضکہ صلح ہوگئی۔ راجہ جیپال نے بہت سا مال
اسباب دینے کا وعدہ کیا اور اپنا ایک معتبر غزنی میں چھوڑ گیا۔ سبکتگین کے آدمی ہمراہ لئے۔ اور
لاہور کی طرف مراجعت کی۔ جب دارالخلافہ میں پہنچا۔ تو ایک دربار کیا۔ کیونکہ اسے تو برف
و باراں کی سردی اور تلواروں کی آنچ سے خاطر جمع ہوگئی تھی۔ اس زمانہ میں دستور تھا۔
کہ راجہ کے داہنی طرف برہمن اور بائیں طرف صاحب شمشیر چھتری کھڑے رہتے تھے۔
برہمنوں نے جنکو اپنے حلوے مانڈے سے غرض تھی۔ صلاح دی کہ ان ملیچھ مسلمانوں
کو خاک بھی نہ دو۔ اور کہلا بھیجو کہ جب ہمارا آدمی واپس آئیگا تو ہم تمہارے آدمی رہا کرینگے

اور اسطرح ایک ادنے اسردار کو خراج دینا آپ جیسے عالیجاہ مہاراج کی شان کے برخلاف ہے۔ چھتریوں نے جواب دیا کہ جان جائے پر بات نہ جائے۔ انسان کو اپنے قول کا پاس ہونا چاہیے اور یاد رہے کہ ہماری فوج کے قدم ایکدفعہ ترکوں کے مقابلہ میں اُکھڑ چکے ہیں۔ اب جیسے دشوار ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ بلا سے بچاؤ کی طرح ہمارے گلے کا ہار ہو جائیں۔ اور تم کو یہ کہنا پڑے کہ ہم تو کمبل کو چھوڑتے ہیں۔ کمبل ہی ہم کو نہیں چھوڑتا۔ یہ ترک ایک بلائے مُبرم ہیں۔ لوٹ مار انکا شیوہ ہے۔ اگر ہندوستان پر چڑھ آئے تو تہ و بالا کر دیں گے۔ اسوقت خلق خدا کا خون کس کی گردن پر ہوگا۔ غرض چھتریوں نے ہزار جتن کئے۔ مگر برہمنوں کے بچن کے آگے ایک پیش نہ گئی۔ سبکتگین کو جب یہ خبر ہوئی کہ جیپال نے وعدہ خلافی کی۔ اور شاہی سفیروں کو قید کر لیا ہے۔ تو برستی گھٹا کی طرح شمال کیطرف سے اوٹھا۔ اور آتے ہی سرحد کے ملکوں پر چھاکر اندھیر برپا کر دیا۔ راجہ جیپال بھی بیخبر نہ تھا۔ اُسنے تمام ہندوستان میں چٹھیاں دوڑا دیں جن کا مضمون کچھ اس طرح تھا:۔

"ڈشٹوں کا بادشاہ اور ملیچھوں کا سلطان جنگلی پہاڑ کے راکھشسوں کی فوجیں لیکر چڑھ آیا ہے۔ پنجاب کا ملک قدیم الایام سے سب بھائی ہندوؤں کی سپر بنا ہوا ہے۔ چنانچہ اگلے سال میں نے خود اس کے گھر پر جاکر ایک ٹکر کو روکا۔ مگر اب دہرم کی لاج رکھنے کا وقت ہے۔ نہیں تو اس سرے سے اُس سرے تک تمام ہندوستان پر پانی پھیر جائیگا۔"

ان چٹھیوں نے بارود میں آگ اور آگ میں مٹی کے تیل کا کام دیا۔ اور دہلی۔ اجمیر۔ قنوج۔ اور کالنجر کے بڑے بڑے راجاؤں نے چیدہ چیدہ فوج بتعداد خزانوں کے ساتھ بھیجی۔ اور اُڑے وقت پر خود بھی آنیکا وعدہ کیا۔ چھاونی پشاور پر ہوئی۔ بادشاہ نے جب یہ مور و ملخ کا لشکر دیکھا تو اپنے سرداروں کو بلایا۔ مگر اُن کے بھی ہوش غائب اور حواس گم تھے دیکھے۔ سبکتگین نے ہنسکر کہا۔ اے بہادرو دیرینہ گرد اور باپ دادا کا نام نہ ڈبوؤ۔ اس کے بعد بہت سے مضمون ثواب اور جہاد اور تائید غیبی کے سنائے۔ پھر بڑے بڑے شجاعوں اور نامآوروں کے کارنامے اور الوالعزمیاں سناکر دل بڑھائے۔ غرض لڑائی شروع ہوئی

ادہر سے تکبیروں کی آوازیں اور اللہ اکبر کے نعرہ بلند تھے۔ اور ادہر سے نرسنگھے بجھ رہے تھے۔ اور سنکھ پھونکے جا رہے تھے۔ غرض دونوں لشکر اس طرح بے جگر ہو کر ایکدوسرے پر گرے کہ پیادے اندنا دہند ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور ہاتھیوں نے اپنا پرایا کچھ نہ دیکھا۔ سب کو چکی کی طرح دل ڈالا۔ آخر ہزاروں کا کھیت پڑا اور خاتمہ ہندوؤں کی شکست پر ہوا۔ فتحیاب لاکھوں کا مال لیکر گھر کو چلے گئے۔ اس یورش کے تھوڑے عرصہ بعد نصیر الدین سبکتگین ۳۸۷ھ سنہ ۹۹۷ء میں راہی ملک عدم ہوا۔

محمود کے ہندوستان پر متواتر حملے اور فتوحات

سلطان نصیر الدین سبکتگین کے دو بیٹے محمود اور اسمعیل تھے۔ محمود ۲ اکتوبر ۹۷۱ء میں پیدا ہوا۔ کرنیل برگرے جو شرح تاریخ فرشتہ کی لکھی ہے اسمیں پہلی جلد کے صفحہ ۲۹ پر لکھا ہے کہ غالباً محمود سبکتگین کی منکوحہ بیوی کے شکم سے نہ تھا۔ ہمارے رائے میں یہ بات سچ معلوم ہوتی ہے کیونکہ فردوسی نے بھی محمود کی ہجو میں لکھا ہے ؎

پرستار زادہ نیاید بکار
اگرچہ بود زادۂ شہریار

بعض مؤرخوں کا یہ خیال ہے کہ محمود کی والدہ زابلستان کی کنیز تھی۔ محمود درمیانہ قد کا انسان تھا۔ اور اس کے تمام اعضا سڈول اور سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے اور اس کا بدن قوی اور ورزشی تھا۔ لیکن اسکے چہرہ پر اسقدر چیچک کے داغ تھے۔ کہ اسکی شکل نامقبول ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس بات کا اسکو سخت صدمہ تھا۔ اور اپنی کریہ منظری پر نہایت ملول رہتا تھا۔ چنانچہ مؤرخ فرشتہ ڈی ہربلاٹ اور برائس صاحب لکھتے ہیں کہ محمود نے ہمیشہ کوشش کی کہ وہ اپنی بدصورتی کو اپنے خجستہ افعال کے نقاب سے چھپاتا رہے۔ محمود کا لڑکپن سے یہ حال تھا کہ فوج کشی اور لڑائیوں میں باپ کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ بلکہ ہر مہم میں ایسی ایسی کارستانی کرتا تھا۔ کہ بڑے بڑے شہسوار مثل آئینہ حیران رہجاتے تھے۔ سچ ہے کہ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔ جب اسکا باپ اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی

کو شکست ہارا - تو یہ بیٹا پورس حاکم تھا - لیاقت شجاعت کے لحاظ سے محمود بیشک تخت نشینی کا
مستحق تھا - مگر بڑی قباحت یہ تھی کہ یہ والدہ کی طرف سے داغدار تھا - چھوٹے بیٹے اسمٰعیل کو
باپ بہت چاہتا تھا - اور اسے ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا - مورخ الفنسٹن صاحب لکھتے
ہیں - کہ مرتے وقت اس نے یہ وصیت کی - کہ میرے بعد میرا وارث اسمٰعیل میرا خلف الصدق
ہوگا - چنانچہ اسمٰعیل نے والد کی وفات کے بعد فوراً تاج سر پر رکھا - اور تخت سلطنت پر جلوس
فرما کر فرمان جاری کر دیئے - ساتھ ہی امیروں اور وزیروں کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا -
فوج کی تنخواہیں بڑھا دیں - اور جشن شروع کر دیئے - تاکہ رعیت کے دلمیں گھر ہو جائے +

محمود نے یہ حال سنکر پیغام بھیجا کہ والد مرحوم نے بڑی محنت اور مشقت سے اس سلطنت
کو حاصل کیا ہے - مگر خانہ سلطنت چاروں طرف سے دشمنوں کی نگاہوں میں ہے - میری رائے
میں تمہاری عمر اور تجربہ اس لائق نہیں ہے - کہ تم اس کو سنبھال سکو - اگر تم صاحب تجربہ ہوتے
تو میری عین تمنا تھی کہ تم والد مرحوم کے جانشین ہو - فی الحال قرین مصلحت یہ بات ہے - کہ خزانہ
اور دولت بموجب شریعت تقسیم کر کے دار السلطنت میرے حوالہ کر دو - تمہاری حکومت کیلئے
میں بلخ اور خراسان کا ملک صاف کر دیتا ہوں - اگرچہ یہ نصیحت واجبی تھی - مگر اسمٰعیل
کے خوشامدی کسی کی دال نہ گلنے دیتے تھے - انہوں نے اس پیغام کو بادِ ہوائی سمجھا - محمود
کی عمر اسوقت تیس برس کی تھی - اور عین شباب میں تھا - اس بے پرواہی سے اس کو بھی
غصہ آگیا - اور اس نے کہا کہ اگرچہ اس نو دولت نے میری نصیحت نہ سنی تھی - مگر ارکان
دولت نے بھی مجھے ہیچ اور حقیر سمجھا - اور میرے حق کو خیال نہ کیا - لاچار اُسنے اراده
کر لیا - کہ دار الخلافہ پر حملہ کر کے اس فتنہ کو مٹا دے +

ادھر سے اسمٰعیل بھی فوج لیکر آیا - اور اگرچہ شجاعت اور بہادری میں یہ بھی اپنے
والد کا خلف الصدق تھا - مگر ابھی ناتجربہ کار تھا - فتح اور شکست خدا کے اختیار میں ہے
وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ قسمت نے فتح کا تاج محمود کے سر پر رکھدیا
اور محمود کے نام کا نقارہ غزنی کے نوبت خانوں میں بجگیا - اسمٰعیل نے بھی پیٹھ نہ دکھائی
آخر کو قید ہوا - اور تمام عمر قید سے باہر نہ نکلا +

امیر سبکتگین اور راجہ جیپال میں جو لڑائیاں اور معرکے ہوئے۔ ان میں محمود بھی شریک تھا۔ اسلئے اس کو خوب یقین ہو گیا تھا۔ کہ ہندوستان جنت نشان ایک بڑا زرخیز ملک ہے۔ اور وہاں کے راجپوت بہادر چاہے کتنے ہی منچلے ہوں کوہستان کابل کے زبردست اور زحمت کش بہادروں کے سامنے اب مقاومت نہیں لا سکتے۔ اسلئے اس نے ۹۹۶ء میں غزنی پر تسلط جما کر ماوراءالنہر کے ملک میں جو بحیرہ خزر سے لیکر دریائے اٹک تک پھیلا ہوا تھا۔ اپنا سکہ جمایا۔ اور پھر عنان توجہ ہندوستان کی طرف منعطف کی۔ محمود کا ہند کی دولت پر تو دانت تھا ہی۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی آرزو تھی۔ کہ بڑے بڑے بانکے راجپوتوں کو تلوار کے زور سے دین اسلام میں داخل کرے۔ خلیفہ بغداد نے محمود کا یہ مذہبی جوش دیکھکر ایک گران بہا خلعت اسکے پاس بھیجا تھا اور امین الملت یمین الدولہ کا خطاب دیا تھا۔ یہ بات سونے پر سہاگا ہوئی۔ اور محمود نے عزم بالجزم کر لیا۔ کہ میں دین اسلام پھیلانے کے لیے ہر سال ہندوستان پر حملہ کیا کروں گا +

سلطان محمود نے چونتیس ۳۴ برس سلطنت کی۔ اور اس عرصہ میں سترہ ۱۷ دفعہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ اور بیقیاس دولت وہاں سے مالا مال ہو کر غزنی کو عالیشان عمارتوں سے نگارخانہ چین بنا دیا۔ نگرکوٹ۔ اور تھانیسر۔ اور سومنات کے بڑے بڑے مندروں اور تیرتھوں پر حملہ کرنے سے خاصکر بیقیاس زر و جواہر محمود کے ہاتھ آیا۔ چونکہ محمود بتوں اور مندروں کے مسمار کرنے میں دل و جان سے سرگرم رہا اسلئے اسکا لقب بت شکن پڑ گیا ہے۔ محمود کے سترہ ۱۷ حملوں میں سے منفصلہ ذیل بارہ بہت مشہور حملے ہیں +

(۱)۔ پہلا حملہ ۱۰۰۱ء میں کیا گیا۔ یہ حملہ راجہ جیپال اول والئی لاہور پر ہوا۔ اسوقت محمود کے ساتھ دس ہزار بہادر سپاہی تھے۔ جو اسکے پسینہ کی جگہ خون بہانے کو تیار تھے۔ یہ راجہ جیپال وہی جیپال تھا۔ جو اسکے مرحوم والد کا پرانا حریف تھا۔ راجہ کو شکست فاش ہوئی اور محمود قلعہ دیہند فتح کر کے غزنی کو الٹا پھر گیا۔ دیہند دریائے سندھ پر قلعہ اٹک سے ۵ میل شمال کیطرف تھا۔ اکثر مورخوں نے اسکو غلطی سے بھٹنڈا لکھا ہے۔ وہ دریائے ستلج کے پار ہے۔ غرض راجہ جیپال نے بہت سا روپیہ دیکر قیدیوں کو رہائی دلوائی۔ اور اقرار کیا

(۵) - پانچواں حملہ سنہ ۱۰۰۶ء میں پھر ملتان پر کیا - ابوالفتح اپنی شرارت سے باز نہ آیا
اسلئے محمود اسکی گوشمالی کو دوبارہ ملتان گیا اور ابوالفتح لودہی کو جو حامد خاں لودہی کا پوتا
تھا اپنے ہمراہ غزنی لیگیا +

(۶) چھٹا حملہ محمود نے تھانیسر پر کیا - یہ ہندوؤں کا مشہور تیرتھ تھا - جو سرسوتی
و جمنا کے مابین واقع ہے - اس جگہ کو محمود نے خوب لوٹا - اور ناراض ہوکر شہر میں آگ
لگادی - اور بیشمار ہندو قید کر کے غزنی کو لیگیا +

(۷) ساتواں حملہ سنہ ۱۰۱۳ء میں کشمیر پر کیا - مگر فوج راستہ بھول گئی - اور جاڑے کا موسم
آگیا - اسلئے نہایت زحمت اٹھائی اور بہت سے آدمی ہلاک ہوئے +

(۸) - آٹھواں حملہ سنہ ۱۰۱۸ء و سنہ ۱۰۱۹ء میں قنوج اور متھرا پر ہوا - یہ حملہ سومنات کے
حملے کے سوا محمود کے سب حملوں سے زیادہ مشہور ہے - کہتے ہیں اسوقت محمود کے ساتھ
ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی - جو محمود نے بخارا اور سمرقند کے جدید غلاموں سے بھرتی کی
تھی محمود یہ فوج لیکر پشاور سے روانہ ہوا - اور پہاڑوں کے بیچوں بیچ پنجاب کے دریاؤ
کے منبعوں کے قریب ہوتا ہوا قنوج پہنچا - اس زمانہ میں قنوج کمال رونق پر تھا - اس
میں اسقدر دولت تھی - کہ جس کا کچھ شمار و حساب نہیں - اور یہاں کا راجہ جو اکثر مہاراج
ادھیراج کے لقب سے مخاطب ہوا کرتا نہایت تزک و احتشام سے دربار کیا کرتا
تھا - جب محمود قنوج پر آیا - تو راجہ نے اپنے تئیں اسکے حوالہ کردیا - اس پر محمود نے اسکے
ساتھ دستار بدل لی - یعنی اسکا بڑا دوست ہوگیا - اور تین دن مہمان رہکر رخصت ہوا +
قنوج سے ہوکر محمود متھرا آیا - جو کرشن جی کی ولادت گاہ ہونے کے باعث ہندوؤں
کا بڑا تیرتھ ہے - اس شہر کی خوبصورتی - اور مندروں کی عالیشان عمارتیں دیکھکر محمود
لوٹ گیا - اور اس کا یہ جی چاہا - کہ غزنی کے اجاڑ پہاڑوں پر بھی ایسی ہی عمارتیں بنواؤ
یہاں محمود نے اپنی فوج کو بیس روز تک شہر لوٹنے کی اجازت دی - اسکے بعد غزنی کو
واپس چلاگیا - متھرا سے اس کی فوج اسقدر ہندوؤں کو پکڑ کر لیگئی - کہ غزنی میں دو دو روپیہ پر
ہندو غلام بکا +

(۵) ۔ پانچواں حملہ سنہ ۱۰۱۰ء میں پھر ملتان پر کیا ۔ ابو الفتح اپنی شرارت سے باز نہ آیا اسلیئے محمود اسکی گوشمالی کو دوبارہ ملتان گیا اور ابو الفتح لودہی کو جو حامد خاں لودہی کا پوتا تھا قید کر کے غزنی لیگیا +

(۶) چھٹا حملہ محمود نے تھانیسر پر کیا ۔ یہہ ہندوؤں کا مشہور تیرتھ تھا ۔ جو سرسوتی اور جمنا کے مابین واقع ہے ۔ اس جگہ کو محمود نے خوب لوٹا ۔ اور ناراض ہوکر شہر میں آگ لگادی ۔ اور بیشمار ہندو قید کر کے غزنی کو لیگیا +

(۷) ساتواں حملہ سنہ ۱۰۱۵ء میں کشمیر پر کیا ۔ مگر فوج راستہ بھول گئی ۔ اور جاڑے کا موسم آگیا ۔ اسلیئے نہایت زحمت اٹھائی اور بہت سے آدمی ہلاک ہوگئے +

(۸) ۔ آٹھواں حملہ سنہ ۱۰۱۸ء و سنہ ۱۰۱۹ء میں قنوج اور متھرا پر ہوا ۔ یہ حملہ سومنات کے حملے کے سوا محمود کے سب حملوں سے زیادہ مشہور ہے ۔ کہتے ہیں اس وقت محمود کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی ۔ جو محمود نے بخارا اور سمرقند کے جدید غلاموں سے بھرتی کی تھی ۔ محمود فوج لیکر پشاور سے روانہ ہوا ۔ اور پہاڑوں کے بیچوں بیچ پنجاب کے دریاؤں کے منبعوں کے قریب ہوتا ہوا قنوج پہنچا ۔ اس زمانہ میں قنوج کمال رونق پر تھا ۔ اس میں اسقدر دولت تھی ۔ کہ جس کا کچھ شمار و حساب نہیں ۔ اور یہاں کا راجہ جو اکثر مہاراج ادھیراج کے لقب سے مخاطب ہوا کرتا نہایت تزک و احتشام سے دربار کیا کرتا تھا ۔ جب محمود قنوج پر آیا ۔ تو راجہ نے اپنے تئیں اسکے حوالہ کردیا ۔ اس پر محمود نے اسکے ساتھ دستار بدل لی ۔ یعنی اسکا بڑا دوست ہوگیا ۔ اور تین دن مہمان رہکر رخصت ہوا +

قنوج سے ہوکر محمود متھرا آیا ۔ جو کرشن جی کی ولادت گاہ ہونے کے باعث ہندوؤں کا بڑا تیرتھ ہے ۔ اس شہر کی خوبصورتی ۔ اور مندروں کی عالیشان عمارتیں دیکھکر محمود لوٹ گیا ۔ اور اس کا جی چاہا ۔ کہ غزنی کے اجاڑ پہاڑوں پر بھی ایسی ہی عمارتیں بنوائے یہاں محمود نے اپنی فوج کو بیس روز تک شہر لوٹنے کی اجازت دی ۔ اسکے بعد غزنی کو واپس چلا گیا ۔ متھرا سے اس کی فوج اسقدر ہندوؤں کو پکڑ کر لیگئی ۔ کہ غزنی میں دو دو روپیہ پر ہندو غلام بکا +

یہ حملہ ہندوؤں کے لئے ایک ہنگامۂ قیامت تھا۔ محمود نے متھرا جیسے نفیس شہر میں جسمیں بقول کرنیل ٹاڈ۔ ایک ہندو مورخ۔ اور بقول میجر رنیل۔ ایک مسلمان مورخ بیان کرتا ہے۔ کہ تیس ہزار دوکانیں پانوازیوں کی تھیں محمود نے وہ نوبج گھسونٹ کی کہ الامان۔ جب اُسنے دیکھا کہ حملہ اسقدر مضبوط ہیں۔ کہ گرائے نہیں جا سکتے تو اس نے شہر کو آگ لگا دی۔ اور لوگوں نے نامحرموں سے بچنے کے لئے اپنے ہاتھ سے اپنے بال بچوں کو قتل کیا۔ اور پھر خود طعمۂ اجل ہو گئے۔ پہلے مقام ماہوان پر راجہ نے ہتھیار ڈالدیئے اور امن ہو گیا۔ مگر پھر خفیف سے تکرار پر غازیوں نے ہندوؤں کو تلوار کے نیچے رکھ لیا۔ اور راجہ نے پہلے اپنی بیوی بچوں پر ہاتھ صاف کیا۔ اور پھر خود زہر کھا لیا +

(۹) نواں حملہ ۱۰۲۲ء میں راجہ کالنجر پر ہوا۔ وجہ اسکی یہ تھی کہ اس نے راجہ قنوج پر محمود کی اطاعت قبول کر لینے کے باعث فوج کشی کر کے۔ اس کو قتل کر ڈالا تھا۔ اس لڑائی میں جیپال دوم والئی لاہور راجہ کالنجر کی مدد پر تھا۔ اس لئے محمود نے اس کو شکست فاش دی۔ اور شہر لاہور پر دخل کر لیا۔ اور یہاں اپنا نائب مقرر کر دیا۔ حقیقت میں اس حملہ سے ہندوستان میں سلطنت اسلامیہ کی بنیاد پڑ گئی +

(۱۰) یہ دسواں حملہ ۱۰۲۳ء میں پھر کشمیر پر کیا گیا۔ مگر اسمیں بھی ناکامیابی ہوئی +

(۱۱) گیارہواں حملہ ۱۰۲۴ء میں ہوا۔ اس حملہ میں گوالیار اور کالنجر کے راجاؤں نے محمود کی اطاعت قبول کی۔ اور دونوں مقامات سے بہت سے زر و جواہر اور ہاتھی اسکے ہاتھ آئے +

ہر چند کہ اتنی دفعہ ہندوستان کو زیر و زبر کر چکا۔ مگر محمود کی فتحیابی اور لوٹ مار کی آرزو ابھی سیر نہ ہوئی تھی۔ اسلئے اس نے ایک آخری اور عظیم الشان کوشش ہندوستان کے مال و دولت سمیٹنے کی کی۔ کہ جسکی کیفیت ایک جگہ بڑی خوبصورتی کے ساتھ جو بیان درج ہے۔ محمود نے ایکدن مصاحبوں کو جمع کر کے ادھر اُدھر نظر دوڑائی کہ اب کہاں تاخت کرنی چاہیئے۔ مصاحبین نے خیال کے گھوڑے اور فکر کے جاسوس چاروں طرف دوڑائے۔ آخر معلوم ہوا۔ کہ ابھی خراب آباد ہندوستان میں جسے گیارہ دفعہ پامال کر لیا ہے۔ ملک گجرات

سمندر کے کنارہ ایک شہر عظیم الشان ہے ۔ اور اسمیں ایک عبادتخانہ ہنود کا ہے ۔ کہ اسمیں
دیوتا کے نام سے سومنات کہلاتا ہے ۔ اور چونکہ ہزاروں برس ہوئے زمانہ سے لیکر
پرہما تک ملک ملک کی خلقت اسے صدق دل سے مانتی ہے ۔ اس لئے نہ مال و زر کا
ٹھکانا ہے نہ زر و جواہر کی کچھ انتہا ہے ۔ حسن میمندی نے زمین خدمت کو بوسہ دیا اور
عرض کی ۔ قبلۂ عالم میں نے وہاں کے حالات عجیب و غریب سنے ہیں ۔ کہتے ہیں ۔ کہ جس
مکان میں سومنات دیوتا ہے ۔ باہر کی روشنی کو وہاں دخل نہیں ۔ جواہر زرتہ اور الماس
جو در و دیوار میں جڑے ہیں اور جڑاؤ قندیلوں میں لگے ہیں ۔ انکی چمک کا ہیبت سے دن رات
برابر ہے ۔ بیچ میں ایک بڑی بھاری سونے کی زنجیر لٹکتی ہے ۔ کہ اسمیں گھنٹے اور گھنٹیاں
اور ٹالیاں ہیں ۔ کہ اس زنجیر کا وزن پکا دو سو من ہے ۔ جب پوجا کا وقت ہوتا ہے ۔ تو
جسطرح ہم اذان دیتے ہیں ۔ وہ اس زنجیر کو ہلاتے ہیں ۔ کہ سب کو خبر ہو جاوے ۔ ملک ملک
ملک کے راجاؤں نے جاگیریں دے رکھی ہیں ۔ انہیں جمع کرو تو دو ہزار گاؤں ہوتے
ہیں ۔ ہر چند کہ گنگا وہاں سے چھ سو کوس پر ہے ۔ مگر روز تازہ گنگا جل سے اسکا اشنان ہوتا
ہے ۔ دو ہزار برہمن فقط یہاں کے پوجاری ہیں ۔ پانسو لونڈیاں گانیوالی اور تین سو گویئے
ہیں ۔ کہ پوجا کے وقت بھجن گاتے ہیں ۔ اور ناچتے ہیں ۔ زیور لباس خرچ اخراجات ان
کا سب یہیں سے ملتا ہے ۔ چاند اور سورج گرہن کے وقت اس مندر میں تین لاکھ آدمیوں
کا ہجوم ہوا کرتا ہے ۔ یہ سب تو ان کی باتیں ہیں ۔ مگر ہمارے مطلب کی یہ بات ہے ۔
مال و زر اور زیور و جواہر کا وہاں یہ عالم ہے ۔ کہ اسکا عشر عشیر بھی کسی بادشاہ کے خزانے
میں نہیں سما سکتا ۔ یہ سنکر محمود کے دہان طمع میں پانی بھر آیا اور دل سانپ کیطرح
لہرانے لگا ۔ اسی وقت سپہ سالار کو حکم بھیجا کہ ہاں لشکر تیار ہو ہر علاقے سے لشکر طلب
ہوا ۔ میدان شہر چھوٹی ڈیروں سے پٹ گیا ۔ فوج فوج کے نشان جدا جدا لہرانے
لگے ۔ لشکر خاصہ کے علاوہ تاتار کے ترک اور کوہستانوں کے افغان جو لوٹ مار کی
نیت باندھے شب و روز روزے سے بیٹھے رہتے تھے ۔ ہزاروں کی جگہ لاکھوں جمع ہو گئے
اس ٹڈی دل کو لیکر محمود اڑا ۔ اور ملتان میں آکر دم لیا ۔ لوٹ کے بھوکے ٹڈی کی فرمت ۔

ساز و سامان کی درستی کی یہ بھی معلوم ہوا کہ رستے میں ایسے ایسے ریگستان اور چٹیل میدان ہیں۔ کہ
جہاں کوسوں تک پانی کا پتا اور گھاس کا نشان نہیں ملتا۔ اسلئے حکم دیا کہ ہر شخص کئی کئی دن کا
پانی اپنے اپنے ساتھ اٹھائے۔ اور سرکار شاہی سے بھی دو ہزار اونٹ رسد کے۔ واسطے
پانی اور گھاس پات سے لدوا کر ساتھ لئے ۔

غرض ان لق و دق میدانوں کو لپیٹ لپیٹ کر دفعتاً اجمیر پر جا پہنچا۔ اگرچہ کوئی راجہ
محمود کے حال سے غافل نہ تھا۔ مگر یہ بھی خیال نہ تھا کہ ایسے میدان طے کر کے یہ طوفان
یوں ایکا ایکی بجلی کی طرح آن گرے گا۔ اب سوائے کنارہ کرنے کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ راجہ
اور شہر کے لوگ جو بھاگ سکتے تھے۔ وہ جان لیکر بھاگ گئے۔ مگر اس آندھی سے شہر
میں چراغ اور باہر تنکا تک نہ رہا۔ تارا گڑھ کا قلعہ سامنے پہاڑ پر چمک رہا تھا۔ مگر دیکھا کہ اس کے
محاصرہ میں خدا جانے کتنے دن لگیں اور کیا پیش آئے۔ اسلئے سیدھا منزل مقصود کا
رخ کیا۔ رستے میں جو جو قلعے اور شہر نظر آئے انہیں ٹھکراتا۔ اور سامان [illegible]
دو منزل اور سہ منزل کرتا چلا جاتا تھا۔ کہ سمندر کے کنارے پر ایک قلعہ عالیشان نمودار ہوا
جس کا ایک ایک برج سر بفلک تھا۔ اور دریا کی لہریں پاؤں پر لوٹ رہی تھیں۔ معلوم ہوا۔ کہ
شہر سومنات یہی ہے۔ اہل شہر گھروں میں بےخبر پڑے آنند کر رہے تھے۔ دیکھا تو یہی دیکھا
کہ فوج کا دل بادل چھا گیا ہے۔ اور نشان محمودی لہرا رہا ہے۔ سب گھبرا کر اٹھ کھڑے
ہوئے۔ پانڈے بیچارے بھولے بھالے جنہوں نے کبھی ننگی تلوار نہ دیکھی تھی۔
فصیل پر چڑھ کر حیرت سے دیکھنے لگے۔ اور چلانے لگے۔ کہ اے مسلمانو! تم اپنی
فوج اور لشکر کے گھمنڈ پر یہاں لوٹنے آئے ہو۔ یہ خبر تمہیں نہیں کہ دہرم مورت پربھاتما
ہمارا اسواسطے تمہیں یہاں لایا ہے۔ کہ جو جو مندر شوالے تم نے ہندوستان میں توڑے
ہیں۔ سب کی سزا یہاں دیگا۔ قاصد آئے اور انہوں نے بھی ایسے ہی پیغام سنائے
مگر محمود ان باتوں کو کیا خاطر میں لاتا تھا۔ تیوری بدل کر منہ پھیر لیا۔ اور کہا کہ خیر جو
کچھ ہوگا کل معلوم ہو جائیگا۔ وہ دن تو جوں توں کر کے کاٹا۔ دوسرے دن مشرق کا
شہسوار ستاروں کی فوج کو شکست دیکر شعاع کا نیزہ ہاتھ میں لئے نکلا۔ محمود سے

پاؤں تک لوہے میں غرق - ہوا کے گھوڑے پر سوار چتر لگائے میدان جنگ میں آ کھڑا
ہوا - نقارے پر چوٹ پڑی - کہ دل سینوں میں ہل گئے - دلیروں نے قلعہ کی طرف بڑھ
کر دھیے تیر برسانے شروع کئے - کہ ہندوؤں کو فصیل چھوڑنی ہی بن آئی - قلعہ سے
مندر میں بھی راہ تھی - سب گھبرا کر اُدھر گھس گئے - مسلمان جھٹ سیڑھیاں لگا کر - کمندیں
ڈال فصیلوں میں چڑھ گئے - اور اللہ اکبر اللہ اکبر کی آواز سے برہمنوں اور پانڈوں
کے دلوں میں لگیاں دہرم کی آگ سے ایک دُھواں اُٹھا - اور راجپوتوں کے دلوں
میں خون غیرت نے جوش مارا - دفعتہً آگ بگولا ہو کر دوڑے جو تیر انداز فصیل پر پھر گئے
اُن سے آتے ہی چھری کٹاری ہو گئے - اور سب کو کاٹ کر نیچے گرا دیا - پھر تو اُدھر سے
آتشبازی کے بان اور رال کی ہانڈیاں تھیں - اور اِدھر سے تیروں کی بوچھاڑ اور برچھیوں
کی بجلیاں - عالم گرد وغبار سے اندھیرا ہو گیا - اور لڑائی برابر ترازو کے تول تلی ہوئی تھی - مگر
قلعہ کا پلہ بھاری تھا - کہ اتنے میں شام نے آ کر اندھیرے کے پیچھے کھدی - طبل بازگشت
بجگئے - اور دونوں لشکر اپنے اپنے مقام پر آئے - شبخون کی روک تھام کا بندوبست ہوا
حکم تھا کہ چراغ تو کیا ذکر ہے - آگ کی چنگاری تک نہ چمکنے پائے - مگر دلوں کی بیقراری
اور مایوسی کچھ کہی نہ جاتی تھی - ادہر تو محمود کے لشکری سناٹے میں تھے کہ کہاں وہ کوہ و دشت
پر بہار اور خدائی گلزار کہاں یہ ریگستان بیابان! گھروں سے ہزاروں کوس آن پڑے
اللہ ہے جو پھر بھی اہل و عیال کا منہ دیکھنا نصیب ہو! روئے طمع سیاہ جس نے یہ
دن دکھایا! لوٹ کا لالچ نہ ہوتا تو کیوں اس بلا میں پڑتے! کرتے تو کر بیٹھے - مگر
دیکھئے کہ اب اونٹ کس کروٹ بیٹھے! ادہر قلعہ بند بیچارے مصیبت کے مارے
جانوں سے نراس بیٹھے تھے اور کہتے تھے - ہے کرتار یہ آسمانی بلا کہاں سے آگئی
ہم تو گھروں میں آرام سے رام رام کی سمرن جپتے تھے - تو ہی اس آفت کو ٹالے تو ٹلے
تیرے سوا کس کا آسرا ہے - غرض دونوں طرف سناٹے کا عالم تھا - اندھیری رات میں سنسان
جنگل سائیں سائیں کرتا تھا - اور گھوڑے سے لیکر اونٹ تک سانس نہ لیتے تھے - ہاں
[illegible] قاصد اور کاغذ کے گھوڑے دوڑ رہے تھے - قلعے والوں کو رات بھر نیند نہ آئی

دلیر دیس ٹھاکروں اور راجاؤں کو چٹھیاں لکھیں کہ یہی وقت ہے اگر آج دھرم کی لاج
نہ رکھی تو کب رکھو گے۔ ادہر آدہی رات تھی جو محمود کی آنکھ کھلی۔ دل گھبرایا۔ اور اسوقت
سرداران لشکر کو کہا صبح سر پر کھڑی ہے۔ بندوبست کرنا چاہیئے۔ کہ میدان جنگ کس
ڈھنگ پر ڈالا جاے۔ کسی نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ جسطرح ہو سکے اس لڑائی کا
فیصلہ جلد کرنا چاہیئے۔ ملک بیگانہ ہے۔ اور عرصہ دور لگا ہے۔ جسقدر دیر ہوگی ہیبت
ہماری کم اور جمعیت گھٹتی جائے گی۔ اور دشمن کی امدادیں پہنچکر قوت بڑہتی جائیگی۔
ایک ایک سپاہی کے دلیر غلام کی نظر ہے۔ دیکھتا ہوں۔ کہ رفیقوں کے جی ٹوٹے جاتے
ہیں۔ محمود نے اس رائے کو نہایت پسند کیا۔ اور سب نے تائید کی۔ اسی وقت لیس پیش
یمین و یسار کی تقسیم ہوکر ڈیرے ڈیرے میں حکم پہنچ گیا۔ کہ صبح نور کے تڑکے قلعہ پر
دہاوا ہو جائے۔ راتوں رات سینکڑوں سیڑہیاں اور کمندیں اور ہزاروں فولادی میخیں
تیار ہو گئیں۔ تمام رات بہادروں نے ہتھیاروں کی تیاری میں کاٹی۔ جب پچھلی پہر رات باقی
رہی۔ تو ستاروں کے پہرہ دار اپنے اپنے پہرہ پر قایم تھے۔ جو محمود نے وضو کرکے دوگانہ
نماز کا ادا کیا۔ سلاح جنگ بدن پر سجتے ہی سواری کا حکم دیا۔ ادہر صبح کی سفیدی
مشرق سے نمودار ہوئی۔ ادہر شیخ بھیریا النشان جنگ کا ہوا میں لہرایا۔ جب سپہ سالار
کو تیر اسکو پہنچا۔ تو اسنے خود کو ہاتھ میں لیکر منہ پر رکھی۔ اور جس طرف سے دہاوا کا رخ
تہا ادہر سے پہلو دیکر دوسرے رخ سے لڑائی ڈالی۔ محمود بذات خاص کئی سالار لیکر
الگ کھڑا ہوا۔ کہ جب قلعہ والے فوج کیطرف جھکیں تو یہ ادہر سے کمندیں ڈالکر اندر جا
پڑیں۔ قلعے میں بھی تمام رات آنکھ نہیں لگی تھی۔ پانڈے پجاری۔ برہمن راجپوت
دہاوے کا غل سنکر گھبرا گئے۔ پہلے تو سب مندر کی طرف دوڑے اور سومنات کی
پرتما پر لپٹ لپٹ کر زار زار روئے۔ کوئی پاؤں میں لوٹتا تہا۔ کوئی راز و نیاز سے کھڑا
دعا مانگ رہا تھا۔ آخر روتے دہوتے باہر نکلے۔ جدہر کو دہاوے کا زور دیکھا سب کے
سب ادہر کیطرف امنڈ پڑے اور لڑائی شروع ہو گئی۔ چاروں طرف سے خبریں چلی آتی
تھیں۔ اور تدبیر کی نظر ہر طرف دوڑ رہی تھی۔ اتنے میں ایک یکبٹ پہرے کے سپاہی نے محمود

ہوا اطلاع دی کہ ادہر سے غبار نمودار ہوتا ہے۔ اور رُخ اسکا اس طرف معلوم ہوتا ہے عجیب نہیں کہ کوئی راجہ قلعہ کی مدد کو پہنچا ہو۔ اُسی وقت سانڈنی سوار اور ہرکارے دوڑ گئے۔ کہ دم کے دم میں پھر کر آئے اور خبر لائے کہ فلاں فلاں شہر کے راجا اس قدر فوج کی جمعیت سے آن پہنچے۔ شاہ باتدبیر نے اس کو یہیں بند رکھا کہ اگر لڑتی ہوئی فوج کو یہہ خبر وحشت ناک پہنچی۔ تو ساری فوج میں ہل چل پڑ جائیگی۔ فوراً اپنی رکاب کی فوج لیکر سبق دیا کہ بطرح لیکا۔ اور ادس کانی انہی کے آگے پہاڑ کیطرح ڈٹ گیا۔ اوّل پیغام بھیجا کہ اسوقت قلعہ والوں سے ہمارا مقابلہ ہو رہا ہے۔ شایان جوانمردی یہ ہے۔ کہ جبتک ہم ادہر سے فارغ نہ ہو لیں۔ تم ہمپر حملہ نہ کرو۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ قلعہ اور ہم کوئی جدا نہیں زبانی باتیں نہ بناؤ۔ مرد ہو تو تلوار لیکر میدان میں آؤ۔ یہ دایاں بایاں سردار دیکھو بانٹ فوج کا قلعہ باندھ کر قلب میں قایم ہو چکا تھا۔ ادہر سے کرنا ادہر سے نرسنگا لڑائی کا پھونکا گیا۔ پہلے تو تیر و خدنگ سے پیغام و سلام مودت کے آئے۔ مگر ادہر ہندوستان کے سوبیر ادہر ترک طرار بڑہ بڑہ کر حملے کرنے لگے۔ جنگ کا ہنگامہ گرم ہوا۔ تلوار کی آنچ سے خود زرہ کے نیچے بدن بہادروں کے جل اُٹھے اور خون پانی ہو کر بہ گئے۔ کہ دفعتہً گھبیر ایکطرف سے غبار اُٹھا سب کی آنکھیں ادہر لگ گئیں۔ جب غبار کے دامن کو مقراض ہوا نے پاک کیا۔ اور گرد کے گریبان سے نشان لشکر نے سر نکالا۔ تو معلوم ہوا کہ نہروالے کا راجہ ابھی آیا ہے ایسی خبر کو سنکر ہی ترک کیا افغان سبکے ہاتھ پاؤں پھیلے لگے۔ اور محمود کے بھی اوسان بہہ گئے۔ مگر پھر سنبھلا۔ ادہر توجہ فوج قلعہ پر لڑ رہی تھی۔ اسے پیغام بھیجا کہ قلعہ کا پیچھا چھوڑ دو۔ اور یہاں کی خبر لو ساد ہر گھوڑے سے کود جبین نیاز کو اپنے خدا کے سامنے خاک عجز پر رکھدیا اور دیر تک درگاہ خدا میں بگریہ وزاری دعا مانگتا رہا بعد آزانی اوٹھا اور فوج کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے شیرو! دلیرو! دیکھو دشمن نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ خراسان اور ترکستان یہاں سے سینکڑوں نہیں ہزاروں کوس کا پلہ ہے۔ اگر یہہ بھی لگا کر اڑو گے تو جان لیکر وہاں نہ پہونچ سکو گے۔ اے مسلمانوں بایمانوں اب سوا خداوند لاشریک کے کسی کا سہارا نہیں۔ سوا اسکا آسرا ہے یا ہمت مردانہ اور بازو کے

تو لڑائی کا - بیباک کر مرنے مار کر مرنا بہتر ہے - نام تو رہیگا کہ غازی بھی ہوئے - اور شہید
بھی ہوئے - دیکھو اس میدان گھر دور ہے - مگر بہشت قریب ہے - شہادت کا تاج
لو اور بہشت میں داخل ہو - اس تقریر کا افسون اسوقت ایسا کارگر ہوا - کہ ٹوٹی ہوئی کمریں پھر
بندھ گئیں - سب یکبارگی یکدل ہوکر ٹوٹ پڑے - اور ایسا جی توڑ کر حملہ کیا کہ ایک دم ہے
میں پانچہزار کا کھیت ڈالدیا - جو باقی رہے - اُن کے پاؤں اکھڑ گئے - فتحیابوں نے
کئی کوس تک پیچھا کیا - زخمیوں کی کمریں ٹٹولکر اور مردوں کی ہمیانیاں کھول کھول کر
گھر کیسے خوب ٹھوک ٹھوک کر بھرے - قیدیوں کو کون پکڑتا - کہ پہلے ہی غزنی کے
گھر بار اور ایران و توران کے بازار لونڈی غلاموں سے بھرے پڑے تھے - اس
فتح کا حال دیکھکر قلعہ والوں کی رہی سہی آس بھی ٹوٹ گئی - محمود مع فوج کے فتح کا نقارہ
بجاتا ہوا قلعہ میں داخل ہوا - اور دروازہ پر نشان محمودی لہرانے لگا - اب دل کو تاب
کہاں تھی - سیدھا مندر میں پہنچا - عمارت کی شان و شوکت دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں
چھپن ستونوں پر گنبدی چھت بیضۂ عنقا کی طرح دھری تھی - کہ ہر ستون ایک
ڈال سنگ مرمر کا تراشا ہوا تھا - اور سر سے پاؤں تک جواہرات سے مرصع تھا - پچی کاری
کی جگمگاری چین کے نقش و نگار مٹاتی تھی - اور گنبد کی ڈلک ستاروں پر آنکھ مارتی تھی
بیچوں بیچ ایک جڑاؤ زنجیر لٹکتی تھی - اسمیں ایک سونیکا چراغ دن رات دھڑ دھڑ جلتا تھا
خدا جانے کن وقتوں سے اسی طرح روشن چلا آتا تھا کہ جسکی قسمت میں آجکے دن اس
آندھی سے گل ہونا لکھا تھا - دروازہ کے سامنے سومنات دیوتا کھڑے تھے - جنکا
قد پورا پانچ گز کا تھا کہ دو گز زمین میں اور تین گز باہر نمودار تھا - محمود نے خود ایک تیر کمان
میں جوڑ کر اسکی ناک پہ مارا اور توڑنے کا حکم دیا - تمام پجاری بیچارے دوڑ دوڑ کر پاؤں پر گر
پڑے اور کہا کہ اسے نہ توڑو - اور بہت سے خزانہ نذرانے میں لو - وزیر نے بھی سفارش
کی - مگر بادشاہ نے سوچ سوچکر کہا کہ میرے نزدیک بت فروش نام پانے سے بت
شکن ہونا بہتر ہے - یہ کہکر گرز فولادی جو ہاتھ میں تھا - اس زور سے مارا کہ وہ
پرتما جو سونے کی ڈھلی اور اندر سے کھوکھلی تھی - ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑی اقبال

کے خزانہ پر نظر کرو کہ جو روپیہ پجاری دینے تھے۔ اُس سے چند در چند زیادہ کا جواہرات اُسمیں سے نکل پڑا۔ محمود مارے خوشی کے باغ باغ ہوگیا۔ دو ٹکڑے اسکے مکے معظمہ میں بھیجی۔ اور دو غزنی کو بھجوائے کہ ایک جامع مسجد اور ایک دیوان عام کے دروازہ پڑوا دیئے۔ تاریخ فرشتہ کا مصنف گیارہویں صدی کے اخیر میں لکھتا ہے۔ کہ ایک ٹکڑا مقام مذکور میں پڑا ہے۔ زر و جواہر مال و دولت اسقدر ہاتھ آیا۔ کہ تمام کی لوٹ کو بھول گیا۔

بعض کا خیال ہے۔ کہ دریائے نور اور کوہ نور دونوں مشہور ہیرے اسی مندر سے محمود کے ہاتھ آئے تھے۔ لیکن یہہ امر نہایت مشکوک ہے اس اثنا میں انہلواڑہ کا راجہ بھاگ گیا۔ اور اس نے گنڈابہ کے قلعہ میں پناہ لی۔ یہ قلعہ بڑا مضبوط اور مستحکم تصور کیا جاتا تھا۔ اور اسکے چاروں طرف پانی تھا۔ محمود نے کسی نہ کسی حکمت سے قلعہ کا راستہ معلوم کرلیا۔ اگرچہ یہ راستہ پر خطر تھا۔ مگر یہہ جوانمرد ہمیشہ خطرہ اور خوف بیم اور ہراس کو نظر حقارت سے دیکھتا تھا۔ غرض جب مد و جزر یعنی جوار بھاٹے کے باعث پانی نایاب تھا۔ یہ فوج لیکر قلعہ میں جا گھسا اور قلعہ فتح شروع کردیا مگر راجہ یہاں بھی قابو نہ آیا۔ اور بھاگ گیا۔ محمود مظفر و منصور ہوکر انہلواڑہ کیطرف لوٹا۔ اور غالبًا اُس نے موسم برسات اسی جگہ گذارا۔ اس جگہ کی آب و ہوا کی سبزی اور شادابی محمود کو نہایت پسند آئی۔ اور اُس نے چاہا۔ کہ بجائے غزنی کے اس مقام کو اپنا پایہ تخت مقرر کرے۔ ان دنوں میں متواتر فتحیابیوں نے اسکا دماغ اوج عیوق پر پہنچا دیا تہا۔ اور وہ سوچ رہا تہا کہ کوئی ایسی تدبیر ہو جس سے ایک جنگی بیڑا تیار کرکے سمندر پر بھی ہاتھ صاف کروں۔ محمود کا بحری سفر کرکے سکندر ابن فیلقوس کیطرح شہرت حاصل کرنیکا مدعا نہ تہا۔ بلکہ اسکا اصلی مقصد یہ تہا کہ کسی طرح لنکا کے جواہرات اور پیگو کی طلائی کانیں بھی ہاتھ آجائیں۔ لیکن آخر کار یہ تجویزیں نری خیالی پلاؤ ہی رہیں۔ اور اسکے وزیران باتدبیر نے یہ صلاح دی کہ ان خیالات کو دل سے بہلا دیجیئے۔ علاوہ بریں انہلواڑہ کا راجہ ابھی تک بھاگا پہرتا تہا۔ اور اطاعت پر راضی نہ تہا۔ محمود نے مناسب سمجھا کہ کوئی ایسا شخص ڈھونڈا جاوے جو ایماندار ہو۔ تاکہ اس کو نائب

کو انکی حالت پر رحم آگیا۔ غرض محمود کے اقبال سے ان کو ایک چشمہ ملگیا۔ جس سے سب کی جان بچی ورنہ سب کا کام تمام ہوچکا تھا۔ آخر کار یہ ملتان میں پہنچ گئے۔ اور وہاں سے غزنی کیطرف مراجعت کی۔

غزنی میں پہنچکر محمود نے ذرا بھی آرام نہ لیا۔ بلکہ ساز و سامان درست کر کے دوسرے سال پھر ملتان پر چڑھ آیا۔ اور ان جاٹوں پر حملہ کیا جو سومنات جاتے وقت اسکی مزاحم ہوئے تھے۔ یہہ جاٹ جھٹ جزیروں میں گھسکر پناہ گزیں ہوئے۔ مگر یہہ بھی گھر سے سب طرح پورا بندوبست کر کے آیا تھا۔ فوراً کشتیوں پر سوار ہوکر ان کو جا دبایا۔ اور بیدریغ خاک و خون میں ملا دیا۔ اور ہزاروں عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا۔ یہ محمود کا ہندوستان میں آخری حملہ تھا۔ اسکے بعد وہ سلجوقوں کی بغاوت کے فرو کرنے میں مشغول ہوگیا۔ اور سنہ ۱۰۲۷ء میں ان کو شکست دیکر تابع فرمان کرلیا۔

اسکے بعد محمود نے دیار فارس کو فتح کیا۔ خاندان دیلمی تین شاخوں میں منقسم ہوگیا تھا اور بہت سے تغیر و تبدل کے بعد عراق و فارس پر قبضہ ہوگیا۔ جسکی سرحد خراسان اور ہمدان کے پرے کردستان تک پھیلتی تھی۔ جب اس شاخ کا سرگروہ فوت ہوگیا۔ تو اسکی بیوہ اسکی سلطنت کی سربراہ مقرر ہوئی۔ جب محمود تخت نشین ہوا۔ تو اس نے اس انقلاب سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ مگر اس کو بیوہ نے ایک خط لکھا۔ جسکا یہ مضمون تھا۔ اگر میرا جوانمرد خاوند زندہ ہوتا۔ تو تمہارا حملہ کچھ وقعت رکھ سکتا تھا۔ اب ایک عاجز بیوہ پر لشکرکشی کرنا تمہارے شان کے شایاں نہیں۔ ممکن ہے کہ خدا تمہیں بیوہ سے مغلوب کرادے۔ تو تمہارے لئے مرجانے کے برابر ہوگا۔ چنانچہ اس خط کے مطالعہ پر محمود اپنے ارادہ سے باز آیا۔ مگر اس بیوہ کے لڑکے سے محمود نے فیاضانہ برتاؤ نہ کیا اور جب عراق میں ابتری پھیلی۔ تو اس نے نہایت کمینہ پن کیساتھ حملہ کرکے نوجوان حاکم کو جسنے اپنے آپ کو اسکے حوالہ کردیا تھا۔ اسیر بنالیا۔ اور تمام سلطنت کا قبضہ کرلیا۔ اصفہان میں اسکا کچھ یونہی سا مقابلہ ہوا۔ مگر اس نے لہو اور خون کے نالے بہادئے۔ یہ فتح اسکا آخری کارنامہ تھا۔ یعنی جب ان فتحیابیوں اور لڑائیوں کے دفتر تقدیر میں جگہ نہ رہی

تو خاتمہ کا وقت آیا۔ اور ۲۹۔ اپریل سنہ ۱۰۳۰ع ۶۳ برس کی عمر میں پیمانہ عمر لبریز ہوا۔ جب مرض
نے اتنا زور پکڑا کہ اُسے کبھی زندگی کی اُمید نہ رہی تو حکم دیا کہ سارے جواہر خانے اور دولت
کے خزانے ہمیں دکھاؤ۔ ان خدائی خزانوں کی سون سے مکان میں سمائی ہو سکتی تھی۔ شہر کے
باہر کئی کوسوں تک میدان میں ہموار کرایا گیا۔ اور خیمے شامیانے جھولداریاں۔ سراپردے
ڈیرے کھڑے ہو گئے۔ جسطرف نگاہ پڑتی تھی۔ اور جہانتک نگاہ کام کرتی تھی۔ روپوں
کے توڑوں۔ اشرفیوں کی تھیلیوں۔ مرصع تاجوں۔ جڑاؤ تختوں اور سونے چاندی کی
کرسیوں کے سوائے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ علاوہ بریں کشمیری پشمینے۔ بانات۔ سقرلات
اطلس فرنگی۔ دیبائے رومی۔ کاشانی مخمل۔ ایرانی قالین فرش و فروش وغیرہ سے وہ میدان
رشک نگارخانہ چین ہو گیا تھا۔ بلور کی ڈبیوں میں لعل بدخشان۔ یاقوت۔ رمان۔ جواہر آبدار
گوہر شاہوار آنکھوں کو خیرہ کئے جاتے تھے۔ انکے علاوہ اسکے بیشمار نادر نفائس اور گراں بہا عجائب
سے چاروں طرف پرستان کا عالم ہو گیا تھا۔ وہ محمود جسکی ہیبت اور رعب و داب سے بڑے
بڑے راجاؤں اور راناؤں کا زہرہ آب ہوتا تھا۔ اور جسکے مقابلہ سے رستم و افراسیاب
جیسے جی چراتے تھے۔ جس کی ران کے نیچے عمر بھر اقبال کا گھوڑا بجلی کیطرح چمکتا کودتا
رہا۔ ایک پالکی میں بصورت تصویر نہالی لپیٹا ہوا آیا۔ چہرہ پر مُردنی چھائی ہوئی تھی۔ اور آنکھوں
سے حسرت ٹپکتی تھی۔ غلاموں نے بغلوں میں ہاتھ دیکر اُٹھایا۔ عصا کے آسرے سے آہستہ
آہستہ آیا۔ اور تکیوں کے سہارے سے تخت زرنگار پر بیٹھ گیا۔ مارے ناتوانی کے پیشانی
پسینہ پسینہ ہو رہی تھی۔ رومال سے متواتر پونچھا جاتا تھا۔ وہ اُمرا جو محمود کی خوں ریزیوں
کی مصیبتوں میں جان و تن سے شریک رہے تھے۔ سر جھکائے کھڑے تھے۔ سب پر اداسی کا
عالم چھایا ہوا تھا۔ محمود نے پہلے تمام دربار کو نظر یاس سے دیکھا۔ پھر جو نقد و جواہر خلق خدا
کے کلیجوں میں ہاتھ ڈالکر جمع کئے تھے۔ ان پر نظر ڈالی۔ مگر جدھر نگاہ جا پڑتی تھی۔ اُٹھ نہ
سکتی تھی۔ ٹھنڈی سانس بھرتا تھا۔ اور رہجاتا تھا۔ پھر حکم دیا کہ اصطبل اور فیل خانے اور شتر
خانے کے نادرات بھی لاؤ وہ بھی زرکار جھولوں اور مرصع نگار زیور و ساز سے سجے ہوئے آئے
انکی کثرت کا کیا بیان ہو۔ کہ دور دور تک جنگل اور پہاڑ جگمگ جگمگ کرنے لگے۔

پالکی میں سوار ہو کر ان کو دیکھا۔ آہیں سرد بھریں اور زار زار رویا۔ دنیا ایسی ہی چیز ہے کسی کا دل اس سے کبھی سیر نہیں ہوتا۔ گو غیر معمولی حادثات کے وقت تھوڑے عرصہ کے لئے انسان اس سے بیزار ہو جاتا ہے۔ مگر سہ

نشاید بتن اندر چیز کس دل
کہ دل برداشتن کا زیست مشکل

عام فانی انسان کیطرح محمود نے بھی ان دنیاوی لوازمات میں ایسا دل لگایا تھا۔ کہ اس کو اُن سے جدا ہونیکا سخت قلق ہوا۔ آہیں سرد بھریں۔ اور زار زار رویا۔ مگر حیف کہ ہاتھ ٹوٹ جائیں جو کسی کو ایک پیسہ دیا ہو۔ آخر جان دی اور بڑی حسرت کے ساتھ دنیا سے کوچ کیا محمود ایک باغمیں جسکو روضۃ السلطان کہتے ہیں دفن ہوا۔ قبر پر اسکا نام سلطان نظام الدین ابو القاسم محمود لکھا ہوا ہے۔

طبعی عادات اور دیگر حالات

اس طرح پر محمود غزنوی کا خاتمہ ہوا۔ بیشک یہ شخص اپنے زمانہ کا بڑا با اقتدار بادشاہ ہوا ہے۔ اور اہل اسلام تو اس کو صاحبقران کہتے ہیں۔ خاندان غزنوی میں بہت جلد زوال کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ اسلئے الفنسٹون صاحب فرماتے ہیں۔ کہ محمود نے اسکی بنیاد حکمت عملی اور لیاقت سے نہیں رکھی۔ محمود نے نہ کوئی قانون بنایا۔ اور نہ کوئی اندرونی ترقی ملک میں کی۔ اس کی ساری شہرت اُسکی بہادری اور شجاعت پر مبنی ہے۔ جو اُس سے معرکہ کارزار میں نمایاں ہوئی۔ محمود مدبر ملک نہ تھا۔ وہ صرف بہادر سپاہی تھا۔ البتہ اس نے علوم و فنون کو ترقی دینے میں سعی کی ہے۔ اور باوجودیکہ وہ اول درجہ کا ممسک تھا۔ مگر عالموں اور ہنرمندوں کی قدر کیا کرتا تھا۔ اور ان کو تھوڑا بہت لیتا دیتا بھی تھا۔ اُس نے غزنی میں ایک

بیت العلوم قایم کیا تہا۔ اور ایک کتب خانہ بھی بنایا جسمیں اُس نے ہر زبان کی کتابیں جمع
کیں۔ اور ایک عجائب خانہ بھی بنایا تہا جسمیں اُسنے عجیب و غریب چیزیں جو اُسے دور
دور ملکوں سے حاصل ہوئی تھیں لاکر رکھیں تھیں۔ اس بیت العلوم کے اخراجات
کیلئے اُس نے ایک خاص رقم علیحدہ کر رکھی تھی۔ جس سے پروفیسروں اور طالبعلموں
کا گذارہ چلتا تہا۔ اس نے قریبًا ایک لاکھ روپیہ علماء کی پنشن کیلئے علیحدہ کر
چھوڑا تھا۔ اسی داد و دہش کے باعث اسکے دربار میں ہمیشہ علما کا گروہ کثیر جمع رہتا تہا
اگرچہ فارسی علم و زبان کی ترقی کا دروازہ پہلے خاندان سامانیہ کیوقت میں کہلا۔ اور تاریخ کا
ترجمہ عربی زبان سے فارسی میں ۳۴۶ھ میں ہوا۔ اور پھر رودکی شاعر کو ایک شاہزادہ نے
اسی ہزار درم عطا کئے۔ اور اگرچہ بقول مسٹر گبن خاندان دیلمی کے زمانہ میں فارسی میں
بہت کچھ ترقی ہوئی۔ مگر در اصل فارسی کو کماحقہٗ وسعت محمود غزنوی کے زمانہ میں ہی ہوئی
محمود کے دربار میں عنصری شاعری کے ذریعہ سے اعلے رتبہ پر پہنچا تھا۔ مگر محمود کا نام علماء
کے زمرہ میں فردوسی کی بدولت ہی مشہور ہوا۔

اس بادشاہ کے تذکرہ میں ایک مشہور قصہ بھی قابل ذکر ہے۔ جس سے معلوم
ہوتا ہے۔ کہ اس میں ایک سخت عیب تہا۔ کہ بعض اوقات انصاف پر طمع غالب ہو جاتی
تھی۔ محمود نے دیکھا کہ ایران کے بادشاہوں کے کارنامے لوگوں کو بھولتے جاتے ہیں
اس لئے اس نے دقیقی شاعر کو مقرر کیا کہ وہ شاہنامہ مرتب کرے۔ چنانچہ دقیقی نے شاہنامہ
لکھنا شروع کردیا۔ مگر ابھی اس نے ایک ہزار شعر بھی نہیں کہا تہا۔ کہ اس کو ایک ملازم نے قتل
کر ڈالا۔ فردوسی نے جو دنیا میں ایک بڑا زبردست شاعر گذرا ہے۔ جب سنا کہ محمود کو شعر
و سخن کا بڑا شوق ہے۔ تو غزنی کا رُخ کیا۔ اسکو اہل یورپ فارسی زبان کا ہومر کہتے
ہیں۔ اور واقعی رزم نگاری میں مشرق میں ایسا کوئی دوسرا شاعر نہیں ہوا۔ جب یہہ غزنی
میں پہنچا۔ تو نہایت تھکا ماندہ ہو کر ایک باغ میں گیا۔ تاکہ تکان راہ سے ذرا سستا لے
اتفاقًا اس وقت اسی باغ میں شعرائے دربار محمودی۔ عنصری۔ عسجدی۔ اور فرخی بیٹھے
ہوئے شراب نوشی کر رہے تھے۔ اُن کو فردوسی کا آنا سخت ناگوار گذرا۔ اور

اونہوں نے صلاح کی کہ جسوقت یہ آوے۔ ہم تینوں ایک ایک ایسا برجستہ مصرع کہیں کہ جسکا جواب اِس نوواردکو نہ آوے۔ اور ناچار اپنا سا منہ لیکر چلا جاوے۔ چنانچہ جب فردوسی ان کے پاس آیا +

عنصری نے کہا ع چون عارض تو ماہ نباشد روشن +

عسجدی نے کہا۔ ع مانند رخت گل نبود در گلشن +

فرخی نے کہا۔ ع مژگانت گذر ہمی کند در جوشن +

فردوسی نے فی البدیہہ کہا ع مانند سنان گیو در جنگ پشن +

یہ سنکر ان تینوں کی آنکھیں کھلگئیں۔ اور اسکو دست بدست دربار میں لیگئے۔ اور محمود نے اُسپر بہت کچھ الطاف خسروانہ فرمایا۔ اور شاہنامہ لکھنے کا حکم دیا۔ اور حق محنت فی شعر ایک اشرفی عطا کرنیکا وعدہ کیا۔ فردوسی نے بڑا خون جگر کہاکر ساٹھ ہزار شعر لکھے۔ اور کتاب شاہنامہ مرتب کرکے بادشاہ کیخدمت میں پیش کی۔ اس کتاب کی نظم ایسی عمدہ ہر کہ جب تک فارسی زبان دنیا میں باقی ہے۔ اس کی شہرت کبھی کم نہ ہوگی۔ ساٹھ ہزار شعر دیکھکر محمود اپنے وعدہ سے پچھتایا۔ اور دون ہمتی سے فردوسی کو صرف ساٹھ ہزار روپیہ یعنی انعام موعودہ کا سولہواں حصہ دینے لگا۔ اس کو فردوسی نے منظور نہ کیا۔ ایک دوسرا بیان یہ بھی ہے کہ فردوسی نے تمام شاہنامہ میں ایاز کی ذرا بھی تعریف نہ لکھی جو محمود کا نہایت منظور نظر غلام تہا۔ ایاز اس خیالمیں تہا کہ فردوسی سے انتقام لے۔ چنانچہ جب انعام دینے کا وقت آیا۔ تو ایاز نے بجائے ساٹھ ہزار اشرفی کے اسقدر روپیہ بھجوادیا۔ کہتے ہیں کہ جس وقت شاہی ملازم انعام لیکر اس کے پاس گیا۔ تو اُسوقت فردوسی حمام میں غسل کررہا تھا۔ ساٹھ ہزار روپیہ دیکھکر اسکے بدن میں آگ لگ گئی۔ اور کھڑے کھڑے وہ تمام روپیہ ملازم شاہی کے روبرو ہی حمام کے خدمتگاروں میں تقسیم کردیا۔ اور ناراض ہوکر راتوں رات محمود کی ہجو میں ایک قصیدہ لکہا جسکا پہلا شعر یہ تہا ۔۔

آیا شاہ محمود کشور کشاے ۔۔۔ نہ ترسی ز کس گر بترس از خداے

اگرچہ خلیفہ بغداد نے اُسے "امین الملک یمین الدولہ" کا خطاب دیا تہا۔ اور محمود نے یہ عہد کر لیا تہا۔ کہ میں دین اسلام کی اشاعت کے لئے ہر سال ہند پر حملہ کروں گا۔ مگر یہ کہیں بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ اس نے ایک بھی ہندو کو مسلمان کیا ہو۔ اس نے اپنی الگ ہی حکومت چلائی تھی۔ جس کا منشا یہ تہا۔ کہ صرف روپیہ ہاتھ آئے۔ چاہے کوئی ہندو رہے۔ یا مسلمان۔ چنانچہ جب گجرات سے واپس آنے لگا۔ تو اس نے ہندو کو نائب السلطنت مقرر کر دیا۔ ایک مورخ لکھتا ہے۔ کہ اس نے زیادہ خونریزیاں اور ہنگامہ قتال فارس میں اہل اسلام کے درمیان ہی کیا تہا۔ اور ہندوستان میں اُس نے سوائے ان شخصوں کے جو میدان جنگ میں کام آئے۔ ایک بھی ہندو قتل نہیں کیا۔

مورخین اسلام لکھتے ہیں۔ کہ ایکدفعہ اُسکے دل میں قیامت اور حشر کی نسبت شک پیدا ہو گیا تہا۔ مگر بعد ازاں اُسنے یہ مشہور کر دیا۔ کہ خود رسالت مآب میرے پاس خواب میں تشریف لائے ہیں۔ اور تمام شک و شبہ میرے دل سے رفع ہو گئے ہیں۔ بہر حال اس میں کچھ کلام نہیں کہ وہ ظاہر بڑا متعصب مسلمان تہا۔ اور فرائض مذہبی کو ہمیشہ بجا لاتا تہا۔ تمام معرکوں میں جو اُسنے فتح کی وہ ہمیشہ گھوڑے سے کود کر زمین پر جبین نیاز رگڑا کرتا تہا اور خدا سے فتح کی دعا مانگا کرتا تہا۔ جس سے ثابت ہے کہ خدا کی ذات پر اسے پورا بھروسہ تہا الفنسٹون صاحب لکھتا ہے۔ کہ اگرچہ اسکے زمانہ میں خونریزیاں ہوئیں۔ مگر اس نے کسی پر ایسا ظلم نہیں کیا۔ جیسا کہ بعض بادشاہ کیا کرتے تھے۔ یعنی اس نے کسیکو زندہ دفن نہیں کرایا۔ یا کسی کی کھال نہیں کھچوائی یا کسی کے منہ میں سرب گداختہ نہیں ڈالا۔ وہ قیامت برپا نہیں جو بارتہالمتوں کے دن فرانس اور ملکہ مری کیوقت میں انگلستان میں ہوئی تھی۔

بعض مورخوں نے لکہا ہے۔ کہ وہ بڑا منصف مزاج اور صاحب دل تہا۔ ایکدفعہ غزنی سے ایران کو جو سڑک جاتی ہے۔ اس پر بلوچی قزاقوں نے ایک مضبوط قلعہ لے لیا تہا اور جو سوداگر وہاں سے گزرتے تھے۔ ان کو وہ لوٹ لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے تاجروں کے ایک قافلے کو لوٹا۔ اور خراسان کے ایک نوجوان کو مار ڈالا۔ اس جوان کی

بڑھیا ماں روتی پیٹتی محمود کے پاس آکر دادخواہ ہوئی بادشاہ نے جواب دیا کہ وہ مقام میرے پایۂ تخت سے بہت دور ہے۔ اس لئے وہاں ایسی واردات کا انسداد نہیں ہو سکتا ہے۔ مگر اُس مظلومہ نے جواب دیا کہ پھر جس ملک کا تو اچھی طرح انتظام نہیں کر سکتا اُسکو تو نے اپنے قبضہ میں کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ بڑھیا کی اس بے لاگ بات سے بادشاہ کے دل پر چوٹ لگی۔ چنانچہ وہ ان قزاقوں کے غارت کرنے پر مستعد ہوا۔ اور اسیوقت حکم دیا کہ آئندہ جو قافلہ اس سڑک پر جایا کرے اس کے ساتھ ایک جرار گارد روانہ ہوا کرنے۔

مفصلہ ذیل حکایات سے معلوم ہوگا۔ کہ وہ کسقدر رحم کا منصف مزاج اور حق پسند تھا۔

ایکدن ایک گڈریا اُس کے پاؤں پر گر پڑا۔ اور رو رو کر کہنے لگا۔ کہ تیرا فوجی افسر میری زوجہ پر عاشق ہو گیا ہے۔ اور جبراً میرے گھر میں گھس آیا ہے۔ اور مجھے مار مار کر نکالدیا ہے۔ محمود نے کہا اچھا اب تم جاؤ۔ اور کل جس وقت وہ آئے مجھے خبر کرنا تیسرے دن پھر وہ شخص محمود کے پاس آیا۔ اور عرض کی کہ جہاں پناہ آج وہ شخص میرے گھر میں موجود ہے۔ محمود نے اپنی تلوار اٹھائی اور ایک لمبا چوغہ پہنکر اسکے ہمراہ ہو لیا۔ جب اس گڈریے کے گھر گیا۔ تو اس نے دیکھا کہ دونوں مجرم ایکدوسرے کی آغوش میں بیخبر سوتے ہیں۔ محمود نے چراغ کو گل کر دیا۔ اور ایک ہی وار میں اس مجرم کا کام تمام کر دیا پھر اُس نے مالک مکان کو کہا کہ اب چراغ لاؤ۔ چراغکی روشنی میں محمود نے مقتول کی صورت دیکھی اور شکر خدا کیا۔ اور پھر پانی منگا۔ ایک پیالہ لبالب پی گیا۔ گڈریا دیکھکر سخت متعجب ہوا۔ محمود نے اُسے حیران دیکھکر کہا۔ کہ اے عزیز متعجب نہ ہو۔ کیونکہ میں نے چراغ اسواسطے گل کر دیا تھا۔ کہ مجھے امید تھی کہ اس جرم کی جسارت سوائے میرے بھتیجے کے اور کسی کو نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی صورت دیکھکر میرا رحم دل ہو جائے۔ اور میں اس کو اُسکے اعمال کی سزا نہ دیسکوں۔ میں نے قتل کرکے خدا کا شکر اس لئے ادا کیا ہے۔ کہ وہ مقتول میرا بھتیجا نہیں ہے۔ اور پانی اسقدر اسلئے پیا ہے۔ کہ جب سے مینے یہ بات سنی تھی۔

کھانا پینا اپنے اوپر حرام کرلیا تہا۔ اور دل میں وعدہ کیا تہا۔ کہ جبتک اس مجرم کو قتل نہ کرلوں۔ پانی تک نہیں پیوں گا۔ اور اس وقت پیاس کی شدت سے میری حالت غیر تھی +

محمود غزنوی کی نسبت لوگ کہتے ہیں۔ کہ ایک غلام ایاز پر عاشق تھا۔ اور سفید و سیاہ کا اس کو مالک و مختار کردیا تہا۔ چنانچہ اس بات کی تائید میں یہ شعر بھی ہے جو ؎

محمود غزنوی کہ ہزاراں غلام داشت +
عشقش چنان گرفت غلام غلام شد +

اعیان سلطنت اس بات سے نہایت جلتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک دن چیلے امیر نے بادشاہ سے عرض کی کہ ایاز میں کون سی ایسی بات ہے۔ کہ جس کی باعث آپ اس کو اس قدر عزیز رکھتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا اچھا میں اس کا جواب آپ کو عنقریب دوں گا۔ ایک دن بادشاہ بمعہ اکثر اہل دربار اور ایاز کے ایک تنگ کوچہ سے گذر رہا تہا۔ اور ایک اونٹ پر زرو جواہر کا ایک صندوق بار تہا۔ صندوق ٹوٹ گیا۔ اور بادشاہ نے حکم دیا کہ اس صندوق کو لوٹ لو۔ یہ کہکر بادشاہ وہاں سے چل پڑا تمام امرا و وزرا اس کو لوٹنے میں مشغول ہوگئے۔ مگر ایاز بادشاہ کے ساتھ ساتھ رہا۔ اور مال غنیمت کا خیال تک دل میں نہ لایا۔ بادشاہ نے کہا دیکھو محبت اسے کہتے ہیں۔ اپنے میرے گھوڑے کے ساتھ دوڑنا زرو جواہر سے بہتر سمجھا۔ باوجودیکہ میں نے خود اجازت بھی دے دی تھی۔ مگر اس بے طمع غلام نے روپیہ کی کچھ بھی حقیقت نہ سمجھی۔

محمود کے اور ایاز کے عشق کا حال محمود نامہ سے واضح ہوتا ہے۔ جس کا یہ بند شعر ہے ؎

اے داغ بر دل از غم خال تو لالہ را +
شرمندہ ساخت آہوے چشمت غزال را +

جب وزرا نے محمود کی اسقدر محبت ایاز کے ساتھ دیکھی۔ تو اس پر خیانت کا الزام لگایا۔ اور کہا۔ کہ بادشاہ سلامت ایاز ہر روز آدھی رات کو خزانہ میں بیٹھا پایا جاتا ہے۔ محمود اپنے وزیر باتدبیر حسن میمندی کو لیکر دوسرے رستہ سے خزانہ میں گیا۔ اور چھپ رہا جب آدھی رات ادہر اور آدہی اُدہر ہوئی۔ تو ایاز حسب معمول وہاں آیا۔ اور ایک صندوق سے پھٹا پرانا لباس نکال کر پہنا۔ اور بڑی دیر تک خدا کی درگاہ میں شکریہ ادا کرتا رہا۔ کہ اے پاک پروردگار میں وہی ناچیز ہوں جو ان چیتھڑوں کو پہنا پھرا کرتا تھا۔ یہ رتبہ جو تو نے مجھے بخشا ہے۔ میں اسکے لایق ہرگز نہ تھا۔ یہ سراسر تیری عنایت کا ظہور ہے۔ بادشاہ نے یہ حال دیکھ کر ایاز کے دشمنوں کو خوب شرمندہ کیا۔ اور ان کو قرار واقعی گوشمالی دی ٭

محمود کے دو وزیر ابو العباس اور حسن یا احمد میمندی بڑے دانا تھے۔ ابو العباس بڑا معاملہ فہم آدمی تھا۔ اگرچہ عالم فاضل نہ تھا۔ اس نے کل کاروبار میں فارسی زبان کو داخل کر لیا۔ احمد میمندی نے مستقل دستاویزوں کے لئے عربی زبان کو استعمال کیا جس طرح یورپ میں اس قسم کی دستاویزیں لاطینی زبان میں لکھی جاتی تھیں۔ اور یہی باعث ہے کہ اگرچہ ہندوستان پر ایرانیوں نے کبھی براہ راست تسلط نہیں کیا۔ پھر بھی فارسی زبان کاروبار میں استعمال ہونے لگی۔ فارسی زبان ہندوستان میں بکثرت استعمال میں آتی ہے۔ اور فرانسیسی زبان کے یورپ میں استعمال سے کہیں زیادہ مستعمل ہے۔ بلکہ اردو زبان کی بھی فارسی ہی بنیاد ہے ٭

سلطان محمود کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام محمد تھا۔ اور دوسرے کا مسعود۔ محمود کے بعد محمد تخت نشین ہوا۔ مگر مسعود نے اُسے تخت سے اُتار کر آنکھوں سے اندھا کر دیا ٭

سلطان محمود کے بعد ملک پنجاب ایک سو چالیس برس سے کچھ زیادہ اس کی اولاد کے قبضہ میں رہا۔ لیکن وسط ایشیا میں جو سلطنت غزنی کا علاقہ تھا۔ وہ اس سے پہلے ہی ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ انجام کار غور جو افغانستان میں غزنی اور ایران کے مابین

ایک کوہستانی علاقہ ہے۔ وہاں کے بادشاہوں نے غزنی کے خاندان کا چراغ گل کر دیا اور محمد غوری نے ہندوستان کو تاخت و تاراج کیا۔ اس وقت غزنی کا آخر بادشاہ قیدخانہ میں مقتول ہو چکا تھا ؛

ایک شاعر نے سلطان محمود کی تاریخ وفات سنہ ہجری جو کئی مادوں پر مشتمل ہے اس قطعہ میں قلمبند کی ہے ؛

ع

آنکہ محمود غزنوی بودہ — واقف سرِ معنوی بودہ
سالِ ترحیل آن خدیو زمان — ہاتفم گفت شاہ بار جہاں

تمام شد